© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گذشتہ اشاعت میں مسلم لا پر نظر ثانی کے سلسلہ میں ہم نے چند مثالیں لکھی تھیں، اسی طرح کی دو ایک مثالیں اور سنئے، اسلام میں اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن فرض کیجئے، حالات یہ پیدا ہو گئے ہیں کہ نوجوان مسلمان تعلیمی وظیفے لے کر دھڑا دھڑ یورپ و امریکہ جا رہے ہیں اور جو وہاں جاتا ہے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ کسی یہودی یا عیسائی لڑکی سے شادی بھی کر لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک طرف تو خود ملک کی اپنی لڑکیوں کے لئے بر کا ملنا دشوار ہو گیا ہے اور دوسری جانب غیر ملکی خواتین جو اِدھر آ رہی ہیں وہ اپنے ملک کے لئے جاسوسی کا کام بھی کرتی ہیں اور اپنی تہذیب و تمدن کے بُرے اثرات بھی اس ملک کی خواتین پر ڈال رہی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ حکومت اسلامی معاشرہ کو ان خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس قسم کے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کو قانوناً روک سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں روک سکتی تو مفاسد کا انسداد کس طرح ہوگا؟ اور اگر روک سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کیا تھا تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں ہوگی؟ اگر مفاسد واقعیہ اور اسلامی معاشرہ کے مفاد کے پیشِ نظر تعددِ ازدواج پر کچھ پابندیاں عائد کرنا مداخلت فی الدین ہے تو غیر ملکی کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگانا بھی اسی ذیل میں آتا ہے، اسلام میں دونوں چیزیں جائز اور مباح ہیں، قرآن میں دونوں کا حکم مذکور ہے، اور تاریخ میں مسلمانوں کا تعامل دونوں پر رہا ہے، پھر آخر وہ کونسی حدِ فاصل ہے جس کے باعث آپ ایک کو مداخلت فی الدین کہیں گے اور دوسرے کو مداخلت فی الدین قرار نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیں گے، یاد ہوگا ساردا ایکٹ پر جو ہمہ گیر احتجاج ہوا تھا اس کی بنیاد صرف یہی تھی کہ صغر سنی کی شادی (حالانکہ قرآن میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے) اسلام میں جائز ہے اس بنا پر اُس کو قانوناً ممنوع اور اس کے مرتکب کو مستحقِ سزا قرار دینا مداخلت فی الدین ہے۔

ایک اور مثال لیجئے! اگرچہ طلاق کو ابغض المباحات فرمایا گیا ہے لیکن بہرحال اسلام میں وہ مشروع ہے، لیکن فرض کیجئے معاشرہ میں فساد کے پیدا ہوجانے کے باعث لوگوں نے اس کو بالواسطہ عیاشی کا ذریعہ بنالیا ہے اور جیساکہ سعودی حکومت کے قیام سے پہلے ایامِ حج کے ختم کے بعد حجاز میں معلمین و مطوفین کا عام دستور تھا، صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ ایک شخص آج نکاح کرتا ہے اور برس ڈیڑھ برس کے بعد اس بیوی کو طلاق دیتا ہے اور دوسرا نکاح کرلیتا ہے، پھر منکوحۂ ثانیہ کے ساتھ بھی اُس کا معاملہ یہی ہوتا ہے اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ " زنِ نو کن درایامِ بہار " اُس کی زندگی کا دل چسپ مشغلہ ہے جو برابر جاری رہتا ہے، اس طرح کے حالات اگر عام ہوجائیں تو پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت اس میں مداخلت کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اصلاح کیوں کر ہوگی؟ اور اگر کرسکتی ہے تو کیا یہ مداخلت مداخلتِ فی الدین نہیں ہوگی؟ / حقیقت یہ ہے کہ عام فطرتِ انسانی کے مطابق معاشرہ میں کسی نہ کسی نہج سے فساد برابر پیدا ہوتا رہے گا اور اُس کا ظہور مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہوگا، جہاں تک اسلامی حکومت کا تعلق ہے شریعت نے اُس کو اس قسم کے مفاسد کے انسداد کے لئے وسیع اختیارات دیئے ہیں لیکن اُن اختیارات کا استعمال کب مداخلت فی الدین کی حد میں داخل ہوتا ہے اور کب نہیں؟ اس سوال کے جواب کا دارومدار بہت بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ ان اختیارات کو استعمال کون کر رہا ہے؟ وہی حکم اگر فاروقِ اعظم کی طرف سے صادر ہو تو عین دین کا منشا، اور سرتا سر حکمتِ الٰہیہ ہے لیکن وہی حکم اگر کمال آتاترک یا سکندر مرزا کا فرمان ہو تو بے شبہ مداخلت فی الدین اور کلمۃ حق ارید بہ الباطل کا مصداق ہے/ آج اسلامی ممالک میں تجدید و ترمیم قانونِ اسلامی کے موضوع پر جدید و قدیم تعلیم یافتہ طبقوں میں اور خواص و عوام میں جو نخ نخ اور شکر رنجی پائی جاتی ہے اُس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قانون پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظرثانی ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ اور اگر ہوسکتی ہے تو کتنی اور کس حد تک ؟ بلکہ اصل نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ ان اسلامی ممالک میں جو طبقہ حکمراں ہے اور جو اصلاحات کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار ہے بدقسمتی سے یہ وہ طبقہ ہے جس کے افراد اکثر و بیشتر اسلامی زندگی نہیں رکھتے یہ کاک ٹیل پارٹیوں میں بیٹھ کر شراب ارغوانی کے جام لنڈھاتے ہیں اور ان کی بیویاں کلب میں ڈانس کرتی ہیں انہیں ہتکِ شعائر و حرماتِ اسلامی سے عار نہیں آتی اور نماز روزہ سے وہ سروکار نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ ایک طرف مسلم پرسنل لا میں اصلاحات کرنے کے لئے یہ اس درجہ بے چین ہیں مگر دوسری جانب ان کی حکومتوں میں شراب خانے کھلے ہوئے ہیں، منکرات و فواحش کی گرم بازاری ہے، کلچر کے نام سے رقص و سرود کے ہنگامے برپا ہیں، رشوت ستانی اور بد دیانتی، فرائضِ منصبی سے پہلوتہی اور تغافل وبا کی طرح عام اور ہمہ گیر ہے، ان کا کردار اسلام کے لئے باعثِ ننگ اور ان کے اخلاق دینِ قیم کی تعلیمات کی ضد ہیں، اس بنا پر عام مسلمان اُن کو شک شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں جب کبھی کسی مذہبی حکم میں اصلاح کے نام سے کوئی چیز ان کی طرف سے آتی ہے تو وہ خواہ بجائے خود کتنی ہی صحیح ہو عوام متوحش ہو جاتے ہیں اور ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ گویا یہ لوگ جان بوجھ کر دین کو تو ڑ مروڑ رہے ہیں۔

پس معاشرہ کے سدھار اور اصلاح کی صورت بجز اس کے کوئی اور نہیں ہے کہ ایک طرف علماء وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کا وسعتِ نظر اور روشن دماغی کے ساتھ جائزہ لیں اور ہر چیز کو مداخلت فی الدین کہنے کی عادت ترک کریں اور دُوسری جانب حکمراں طبقہ اپنے فکر و عمل کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالے، خود شریعت کے اوامر و نواہی پر کاربند ہو اور اپنی طاقت و قوت سے کام لے کر ملک کو منکرات و فواحش سے پاک و صاف کرے جب یہ دونوں چیزیں ہوں گی تو پھر مسلم فیملی لا میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہی کیوں پیش آنے لگی ؟

اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ناظم ندوۃ المصنفین مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی پچھلے دنوں وسط ایشیا کے مرکزی ادارۂ دینیہ کے صدر مفتی ضیاء الدین کی دعوت پر پندرہ روز کے لئے روس کے دورہ پر گئے تھے، وہ ۷ راگست کی صبح کو ۶ بجے دہلی کے ہوائی اڈہ سے روانہ ہوئے اور ۲۲ ستمبر کی صبح کو بخیریت و عافیت واپس پہونچ گئے، موصوف نے ماسکو سے اڈیٹر برہان کے نام ایک مفصل خط لکھا تھا جس میں انھوں نے اس سفر کے مشاہدات و تاثرات اپنے مخصوص اندازِ نگارش میں قلم بند کئے ہیں، یہ خط اُس وقت وصول ہوا جب کہ برہان کی کتابت مکمل ہو چکی تھی اس لئے اب وہ اکتوبر کی اشاعت ہی میں آسکے گا۔

© rasailojaraid.com